اختلاف — حقیقت واقسام

ضمیر الحسن خاں فلاحی

جنوری ۲۰۱۴ء صفرالمظفر / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ جلد: ۴۰ شمارہ: ۱

امور و معاملات میں رائے ونقطہٴ نظر کا اختلاف ایک فطری اُمر ہے، اجتماعی زندگی میں یہ ناممکن ہے کہ پورا معاشرہ ایک جیسی صلاحیت واہمیت اور یکساں اندازِ غور و فکر رکھنے والے افراد واشخاص پر مشتمل ہو، انسانی ذہن، مہارت اور صلاحیتوں میں فرق وتفاوت اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے مگر حکمت خداوندی یہ ہے کہ تخلیق واکتسابی خصوصیات میں انفرادیت کے باوجود ایک حد تک ہم آہنگی و یکسانیت ہو، اختلاف کی حقیقت یہی ہے۔

اختلاف دو چیزوں کے الگ الگ اور مختلف ہونے کا نام ہے ''اختلف البیان'' کا مطلب ہے کہ دونوں چیزیں یکساں وبرابر نہیں ہیں، کسی کے احوال واقوال سے الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف کہتے ہیں لیکن خلاف، ضد سے عام ہے، اس لئے کہ دو متضاد چیزیں لازماً ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں مگر دو مختلف چیزوں کا ایک دوسرے کی ضد ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ دراصل اتفاق کی ضد ہے۔ (القاموس المحیط صفحہ ۷۲۸، المفردات ص ۱۶۲، القاموس الوحید ص ۴۶۷

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ۔ (مریم: ۳۷)

''جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں''

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ (ہود: ۱۱۸)

۔''وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے''

(۸:الزاریات) اِنَّکُمۡ لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ

۔"تم مختلف بات میں ہو"

(۹۳:اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ۔(یونس

۔"یقیناً تمھارا رب ان کی اس بات کا قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں"

ان قرآنی نصوص سے پتہ چلتاہے کہ بات (قول) رائے، حالت، ہیئت اور نقطۂ نظر و موقف میں مغایرت کو اختلاف وخلاف کہتے ہیں۔

علماء اصول کی اصطلاح میں کسی امام کی رائے کو بلا دلیل حق ٹھہرانے اور دوسرے کے نقطۂ نظر کو غلط و باطل قرار دینے کو "علم خلاف واختلاف" کہتے ہیں۔(معجم مصطلحات اصول الفقہ ص۴۳۸ والفقہ الاسلامی وتحدیات الواقع السیاسیۃ ص ٦٦)

دو مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کے درمیان اختلاف کی شدت اتنی بڑھ جائے کہ اثبات حق وصواب کی بجائے ہر فریق کی خواہش غلبہ حاصل کرنا ہو جائے اور افہام وتفہیم کی گنجائش وامان معدوم ہو جائے، ایسی حالت کو فقہاء شقاق کا نام دیتے ہیں۔ شقاق کی اصل یہ ہے کہ ایک حالت، ایک رائے اور ایک موقف کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

(۳۵:وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شقاق بینھما۔(النساء

اور اگر تمہیں ان دونوں (زوجین) کے شقاق کا خوف ہو، یعنی ایسا سخت و شدید اختلاف کہ اب ایک گھر میں دونوں کا "رہنا محال و ناممکن ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

فانما ہم فی شقاق۔ (بقرہ :١٦)

"وہ تو ضد پر اڑے ہوئے ہیں"۔

اختلاف کی قسمیں

(١) اختلاف مذموم (٢) اختلاف مقبول

زبان، رنگ اور افکار و تصورات کے اختلاف کے ساتھ متنوع انسانی عقل بھی مشیت خداوندی ہے اس لئے ایک مسئلے میں متعدد اقوال و آراء لازماً سامنے آئیں گی۔ رنگ و زبان اور فطرت کے دوسرے بے شمار مظاہر اگر قدرت کی نشانیاں (آیات) ہیں تو عقل و حواس اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج و ثمرات بھی خدا کی نشانیاں اور اس کی قدرت کاملہ کے دلائل ہیں۔ کیونکہ اگر سارے انسان ہر چیز میں برابر و یکساں ہوتے تو دنیا کی شادابی و آبادی اور اس کی بقاء ممکن نہیں تھی۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۝ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ (ہود :١١٨)

اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جن پر تمہارا رب رحم" فرمائے، اسی لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقمطراز ہیں :

"اللہ کی مشیت انسان کے بارے میں یہ ہے ہی نہیں کہ حیوانات و نباتات اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کی طرح اس کو بھی جبلی طور پر ایک لگے بندھے قاعدہ، راستہ کا پابند بنا دیا جائے جس سے ہٹ کر وہ چل ہی نہ سکے بلکہ انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اسے انتخاب و اختیار کی آزادی بخشی جائے، اسے اپنی پسند کے مطابق مختلف راہوں پر چلنے کی قدرت دی جائے، اس کے سامنے جنت و دوزخ کی راہیں کھول دی جائیں اور پھر ہر انسان اور ہر انسانی گروہ کو موقع دیا جائے کہ وہ ان میں سے جس راہ کو بھی اپنے لئے پسند کرے اس پر چل سکے اور اپنی سعی و کسب کا نتیجہ پائے، اس اسکیم کے تحت انسان پیدا کیا گیا ہے"۔ (تفہیم القرآن ۲،۳۷۳)

چنانچہ اس امت کے اسلاف کے درمیان جو اختلاف رائے و فکر نظر آتا ہے وہ اسی خدائی مشیت کا مظہر ہے اور چونکہ یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اس لئے امت کے حق میں مفید و نفع بخش بھی ثابت ہوا۔

یہ اختلاف اگر اپنے حدود سے متجاوز نہ ہو اور اصول وآدابِ اختلاف کا التزام و اہتمام کیا جائے تو اس سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً :

(۱) کسی مسئلہ کے ان سارے احتمالات پر غور و فکر اور بحث و گفتگو کا موقع ملے گا جن میں کسی پہلو سے دلیل کی گنجائش ہو۔

ایسے مہذب اختلاف سے ذہنی ریاضت اور تبادلہٗ خیالات کا صحتمند ماحول پیدا ہوتا ہے اور مختلف عقلوں کے نتائج (۲) پر غور و فکر کے دروازے کھلتے ہیں۔

ایک سے زائد حل سامنے آتے ہیں جس سے پیش آمدہ مسائل میں اس میں فطرت کے صحیح و متوازن حل کی طرف (۳) رہنمائی ملتی ہے۔

ایک دوسرے سے روابط بڑھتے ہیں اور فاصلے کم ہوتے ہیں۔ (۴)

یہ وہ اختلاف ہے جس کو ہم مقبول اور مظہر فطرت اختلاف کہہ سکتے ہیں اس کے برخلاف ایک اختلاف وہ ہے جس سے منفی و برے نتائج برآمد ہوتے ہیں اور امت کے اندر انتشار پیدا ہوتا ہے اور تعمیر کی بجائے تخریب کا سبب بنتا ہے۔ ایسے اختلاف کے پیچھے کبھی تو نفسانیت، خود غرضی اور ذاتی مقاصد کا حصول ہوتا ہے اور کبھی اپنے علم و فقہ کا اظہار کارفرما ہوتا ہے۔ نفس پرستی کا غلبہ ہونے کی وجہ سے اس اختلاف سے کبھی بھی وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے بلکہ نفس پرستی شیطانی عمل ہے جو ہمیشہ شر و فساد کا باعث ہوتی ہے۔

نفسانیت، علم کی ضد، حق کی مخالف، شر و فساد کا ذریعہ اور ضلالت و گمراہی کا راستہ ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۝ (۲۶: ص)

۔''اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے''

وَلوِاتَّبَـعَ الحَقُّ اَہْوَاءَہم لَـفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْہِنَّ۔(موٴمنون:۷۱)

۔''اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا توزمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جاتے''

وَاِنَّ کَثِیْرًالَّیُضِلُّوْنَ بِاَہْوَاءِہِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَاَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ۔(الانعام:۱۱۹)

۔''اور بہت سے لوگ بے علم وسند محض اپنی خواہشات سے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں''

نفسانیت کی بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن سب کی اصل خود پسندی وہوائے نفس ہے۔یہ اختلاف ہر حال میں قابل مذمت،غلط اور ناجائز ہے۔

اختلاف اہل علم کی نظر میں

امت کے اہل علم نے ہر طرح کے اختلاف سے روکا ہے اور حتی المقدور اس سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہاء صحابہ کرامؓ میں سے ہیں،انھوں نے اختلاف کی مذمت کی اور کہا ''الخلاف شر'' یعنی اختلاف بری چیز ہے۔علامہ تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ کا قول مشہور ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''ان الرحمۃ تقتضی عدم الاختلاف'' یعنی : تقاضائے رحمت یہ ہے کہ اختلاف نہ کیا جائے۔(ادب الاختلاف فی الاسلام،ص:۳۲)اور امر واقعہ بھی یہی ہے،قرآن مجید میں ہے

وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْہُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْہُمْ مَّنْ کَفَرَ۔(بقرہ:۲۵۳)

۔''لیکن ان کے درمیان اختلاف ہو، سو کوئی ایمان لایا اور کوئی کافر ہو گیا''

حدیث میں ہے :

۔''بنی اسرائیل اپنے انبیاء سے اختلاف اور کثرت سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے''

(مسند احمد، مسلم، نسائی)

علامہ تقی الدین سبکی نے اختلاف کی تین قسمیں کی ہیں :

(۱) اصولوں میں اختلاف :۔قرآن جس اختلاف کی مذمت کرتا ہے وہ یہی ہے اور بلاشبہ یہ بدعت وضلالت ہے۔

(۲) آراء میں اختلاف :۔ یہ بھی حرام ہے کہ اس میں مصالح امت کا ضیاع ہے۔

(۳) فروع میں اختلاف (ادب الاختلاف فی الاسلام، ص: ۳۲) حلت وحرمت کے باب میں پایا جانے والا اختلاف۔

اس تیسری قسم میں بھی یہ بات طے ہے کہ اتفاق بہر حال اختلاف سے بہتر ہے، اختلاف کے مذموم ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بتوں کی پرستش کو تو گوارا کر لیا مگر تفرقہ پیدا نہ ہونے دیا۔ان کی قوم کے ایک شخص ''سامری'' نے جب بچھڑے کی شکل کا ایک بت بنا کر قوم کو دعوت دی کہ ''ھٰذا الٰھکم والٰہ موسیٰ'' تو حضرت ہارونؑ خاموش رہے اور موسیٰؑ کی واپسی کا انتظار کیا، چنانچہ واپسی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب انہیں ملامت کی تو اس کے جواب میں کہا :

يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝
(طٰہٰ:۹۴)

'' میرے بھائی میری داڑھی اور بال نہ پکڑو، مجھے ڈر تھا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا ''۔

(۲۰۹:امام ابن حزم ظاہری متوفی ۱۰۶۳ھ کے مطابق کوئی اختلاف باعث رحمت نہیں ہے۔(فیض القدیر، ص

وہ روایت جس کے راوی ابن عباسؓ ہیں اور جس میں اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے۔(اختلاف امتی رحمۃ) محل نظر ہے۔ امام مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ نے علامہ تقی الدین سبکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، ص۷۹، جلد۱) اسی طرح سے وہ روایات بھی محدثین کے یہاں صحیح کا درجہ نہیں رکھتیں جن میں وارد ہے: ''اختلاف اصحابی لکم رحمۃ یا''اصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم اہتدیتم'' یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔علامہ ناصر الدین البانی نے انہیں موضوع قرار دیا ہے اور امام ابن حزم بھی انہیں موضوع روایات میں شمار کرتے ہیں نیز اس طرح کی تمام روایات حکم قرآن سے متعارض ہیں اس لئے کہ قرآن پاک نے مطلق اختلاف سے روکا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ شارح قرآن، قرآن سے ہٹ کر، کوئی بات ارشاد فرمائیں۔امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرامؓ کے اختلاف واجتہاد میں توسیع ہوتا تھا اور توسع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے پر مصر نہ ہو اور صرف اس کو حق نہ سمجھے''۔(جامع بیان القلم وفضلہ، صفحہ ۳۹۰)

اس سلسلہ میں امام مالک کی رائے بھی انتہائی چشم کشا ہے، وہ کہتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ کا اختلاف وسعت ورحمت نہیں بلکہ صحیح وغلط کا اختلاف ہے۔(فیض الدنیا،۲۲) اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے مواقع پر انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا اور دوسرے کی رائے مان لی، مثلاً اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب یہ حدیث سنی کہ (تقطع المرأۃ الصلوٰۃ) عورت کے سامنے آجانے سے

نماز ٹوٹ جاتی ہے، تو فوراً بلا کسی ادنی تامل کے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ آپؐ نے قیام لیل کیا اور میں سامنے سوتی رہی۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، حدیث:۵۱۵)

اس طرح ام المومنین نے اس روایت کو بھی ماننے سے انکار کر دیا کہ ''میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب (ہوتا ہے''۔ اور فرمایا ابو عبدالرحمٰن الراوی) کو وہم ہو گیا یا سننے میں غلطی ہوئی ہے یا وہ بھول رہے ہیں۔(بخاری، کتاب الجنائز ۱۲۸

پوری بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اختلاف دو طرح کا ہوتا ہے:

اختلاف ممدوح و مقبول (۱)

اختلاف مذموم۔ (۲)

اختلاف ممدوح کو اسلام پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس اختلاف کے تحت سنجیدہ عقلی کاوشوں کے ذریعے مسائل کے مختلف پہلوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، مختلف زاویوں سے نظر ڈالی جاتی ہے، مختلف دلائل کا موازنہ ہوتا ہے تا کہ کوئی ایسی شکل دریافت ہو جائے جو مسئلہ کی اصل حقیقت دوسروں کے سامنے واضح کر سکے اور زیر بحث مسئلہ کے تمام گوشے و پہلو دوسروں کے سامنے آجائیں اس میں اس بات کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ کوئی نقطۂ نظر آخری و قطعی حل کے طور پر لوگوں پر تھوپا نہ جائے بلکہ بحث و گفتگو، غور و فکر اور تبادلہ خیال کے بعد بھی دوسری رائے رکھنے کی پوری اجازت ہوتی ہے۔

اس کے بر خلاف، اختلاف مذموم وہ ہے جو امت میں تفرقہ پیدا کرتا ہے، اس میں اجتہاد کو فکری و نظری حد سے آگے بڑھ کر عملی شکل دے دی جاتی ہے اور دوسروں پر اسی مسلک و رائے کو لازم و ضروری قرار دے دیا جاتا ہے، اس طرح سے اختلاف رائے، اختلاف عمل کی صورت اختیار کر کے امت کے اتحاد کے لئے ایک بڑا خطرہ و چیلنج بن جاتا ہے۔

قرآن پاک اور سنت مطہرہ میں جہاں بھی اختلافات سے روکا گیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد یہی مذموم وناپسندیدہ اختلاف ہے جو امت کی صفوں میں رخنے ڈالتا ہے اور اس کے شیرازے کو منتشر کر دیتا ہے، اس اختلاف کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

(۴۶: سورہ انفال) اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ۝

"آپس میں جھگڑو نہیں کہ تم کمزور ہو جاؤ اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

فقہی مسالک کا اختلاف جس سے امت، عظیم الشان فقہی ذخیرہ کی وارث ہوئی اور کسی بھی مسئلے سے متعلق اس کے تمام ممکنہ گوشے واشگاف ہو کر سامنے آئے، پسندیدہ اور ممدوح اختلاف کی شاندار مثال ہے، اس کے علی الرغم امت کے اندر موجود بے شمار اختلافات، تفرقے، لڑائیاں اور گروہ بندیاں جس نے امت کی شان وشوکت کو زبردست نقصان پہنچایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امت کے بہت سے افراد کے مطابق، امت کے افراد ان سے الگ نقطۂ نظر نہیں رکھ سکتے بلکہ ان کا اختیار کردہ نظریہ ہی سکہ رائج الوقت ہوگا یہ تصور بہت سے تعلیمی نظاموں میں داخل ہوا اور تعلیمی نظام چلانے والوں نے کسی ایک مسلک کو شامل نصاب کر کے دوسرے مسالک کا مطالعہ بھی طلبہ کے لئے حرام وناجائز ٹھہرا دیا، معاملہ اس پر نہیں رکا بلکہ اسلام کے نام پر کام کرنے والی بہت سی اسلامی / مسلم تحریکوں کے خرمن پر بھی یہ تصور بجلی بن کر گرا اور انہیں خاکستر کر گیا۔ چنانچہ دوسری تحریکات کے لٹریچر کا مطالعہ ان کے لئے جرم عظیم اور خرق عادت تصور کیا جانے لگا۔

حد تو یہ ہے کہ متعدد اسلامی تحریکات میں یہ تصور اتنا عام ہو گیا ہے کہ قائد تحریک یا امیر کی سب سے بڑی ذمے داری تنظیمی اتحاد اور فکری وحدت کی حفاظت ہے۔ قائد وامیر کی رائے سے اختلاف کو برداشت نہیں کیا جائے گا یہ تصور ایک غلط اور باطل تصور ہے جس کی کوکھ سے متعدد مفاسد جنم لیتے ہیں اور داخلی انتشار کے چشمے پھوٹتے ہیں جبکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنی

عمر کے تقریباً پندرہ سو سال کے دوران بڑے وسیع پیمانے پر اختلافات دیکھے ہیں، لیکن مسلم خلافت نے تمام مکاتیب فکر اور فقہی مدارس کی سرپرستی کی ہے اور ان کے مصارف برداشت کئے ہیں۔

موجودہ اسلامی تحریکات کو سنجیدگی سے اس پہلو سے متعلق اپنے تصورات پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، قیادت و امارت کا فرض دوسری آراء کی تردید، ان پر بندش اور دوسرے مسالک کا خاتمہ ہر گز نہیں ہے بلکہ قیادت کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے کارکنان کی عملی کاوشوں کو موئثر و فعال بنائے، انہیں منظم و متحد کرے، مختلف علمی و فکری کاوشوں سے استفادہ کرے اور عملی سطح پر صرف ایک مسلک، مسلک نظم جماعت کو نافذ کرے اور لوگوں کو مخالف رائے رکھتے ہوئے اس مسلک کا پابند بنانے کی سعی کرے، کہ اس تحریک کے بانی و قائد اول محمد مصطفی کا منہاج امارت و قیادت یہی تھا، آپؐ کی حیات مبارکہ میں اس کے بہترین نمونے موجود ہیں، ایک حدیث میں ہے: ''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو قبیلہ جہینہ کے لوگ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا: آپ ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے ہیں، ہمارے لئے ایک معاہدہ لکھ دیجئے تا کہ ہمیں امان حاصل رہے، آپؐ نے ان کے لئے معاہدہ لکھ دیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے، راوی (سعد بن ابی وقاصؓ) کا بیان ہے کہ رجب کے مہینے میں آپؐ نے ہمیں بنو کنانہ کے ایک محلے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی جبکہ ہم صرف سو تھے، ہم نے قبیلہ جہینہ کے یہاں پناہ لی، جہینہ والوں نے ہمیں جنگ سے روکا اور کہا کہ تم مقدس ماہ میں جنگ کر رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہماری جنگ ان لوگوں سے ہے جنھوں نے ہمیں مقدس ماہ میں، مقدس شہر سے نکالا ہے۔ ہمارے لوگ آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے، بالآخر کچھ لوگ تو مہم پر روانہ ہو گئے اور کچھ نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آگئے اور سارے حالات سے آپؐ کو واقف کرایا، آپؐ سخت غضبناک ہوئے، چہرہ اطہر غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے متحد ہو کر گئے تھے اور اب جدا جدا آرہے ہو؟ تم سے پہلے کے لوگ اختلاف کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے تھے اب میں تمھارے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو بڑا سخت ہے، تمھیں بھوک و پیاس کے مزہ چکھائے گا، پھر آپؐ نے حضرت عبداللہ بن جحش اسدی کو بھیجا اور اسلام میں سب سے پہلا امیر ہونے کا انہیں شرف بخشا''۔ (مسند احمد، ص ۱۷۸، حدیث ۱۵۳۹)

اس واقعے میں آپؐ کا غصہ اختلاف آراء پر نہیں تھا اس لئے آپؐ نے کسی رائے کی تصویب فرمائی نہ کسی کو غلط قرار دیا بلکہ ایک ایسے باعزم شخص کو امیر بنایا جو تحریک کے فیصلے کو عملاً نافذ کرنے کا ہنر رکھتا ہے، آپؐ کا یہ تاریخی فیصلہ اس بات کا غماز ہے کہ امیر کا

کام سب لوگوں کو ایک فیصلہ اور ایک اقدام کا پابند بنانا ہے، نظریات اور آراء کے اختلاف کو ختم کر کے، پوری تحریک کو ایک ہی نظریے پر متفق کرنا قیادت کی ذمے داری نہیں ہے۔

خلافت راشدہ جس سے زیادہ زریں عہد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، جس میں اجلہ صحابہ کرامؓ موجود تھے، اصحاب بدر بھی تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے دست رسولؐ پر بیعت کرنے والے بھی تھے اور وہ بھی تھے جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی گئی تھی، اس دور میں بھی فکری و نظری اختلافات ہوئے لیکن کسی خلیفہ راشد یا کسی قائد و امیر نے ان علمی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی اور ان ہی اختلافات کے تلے وہ ایک صف ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے، صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اپنے مکتب فکر کی بنیاد مدینہ میں ڈالی، کسی نے مکہ میں اپنا فقہی اسکول قائم کیا، کسی نے کوفہ اور کسی نے شام میں اپنے مدرسے کی تاسیس کی۔

(۹۰: أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ (انعام

۔''وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے تو تم ان ہی کے نقش قدم پر چلو''

اس روشنی میں اسلامی تحریکات کو اپنے تصورات کی تصحیح کرنی چاہئے تاکہ تحریکیں اور پھر پوری امت انتشار سے محفوظ رہ سکے۔ رسول کریمؐ کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کے زریں و تابناک عہد میں ہمارے لئے بہترین نمونے موجود ۔''ہیں ««